کربلا اور اخلاقی اقدار

(مراثی انیسؔ میں اخلاقی اقدار کی عکاسی)

وسیم حیدر ہاشمی

اُردو میں اخلاقی شاعری کے تعلق سے یہ بات بڑی آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر اُردو شاعری سے میرانیسؔ کے مراثی کو حذف کر دیا جائے تو اردو میں اخلاقی شاعری نظر ہی نہیں آئے گی۔ درحقیقت میرانیسؔ واحد اردو شاعر ہیں جن کا کلام درس اخلاقیات سے لبریز ہے۔اور ان کے اخلاقی اشعار ہماری غور وفکر کی صلاحیت پر حاوی ہوکر فہم و ادراک کے نئے نئے باب کھول دیتے ہیں۔ اخلاق فاضلہ کی تعلیمات ہر مذہب میں مؤثر طریقے سے دی گئی ہیں۔ ان اخلاق فاضلہ کی تعلیمات نثر کے مقابلے نظم میں زیادہ موثر پیرائے میں پیش کی گئی ہیں۔ اگر کسی قوم کے اخلاقی جذبات صحیح معنی میں بیدار ہوں تو وہ قوم دنیا کی تمام قوموں میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی جبکہ اخلاقیات سے دور اور نا آشنا قومیں بڑی سے بڑی سلطنت کے باوجود دنیا کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہی رہتی ہیں۔ اس کی مثال بنی ہاشم اور بنی امیہ سے بہتر بھلا اور کہاں مل سکتی ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ اپنی اعلیٰ اخلاقی قدروں کی بدولت ہی اہل بیتؑ اطہار روز حشر تک کے لیے سرخرو ہیں اور دنیا پرستی ودنیا داری پر مشتمل

اپنے کردار کی بدولت بنی امیہ ذلیل وخوار ہیں۔

جدید وقدیم نظام حیات میں دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ اعلیٰ اخلاقی زندگی کی تلقین کے مترادف ہے۔ میر ببر علی انیسؔ کے یہاں بھی جو نظام اخلاق پایا جاتا ہے اس میں انھوں نے دنیا میں بہتر اخلاقی زندگی بسر کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے لئے اپنے کلام میں کہیں کہیں بالواسطہ اور کہیں کہیں بلا واسطہ بے ثباتی عالم کا تذکرہ بڑے پُر اثر انداز میں کیا ہے۔ انھوں نے بے ثباتی عالم کے حوالے سے جس حسن وخوبی سے اعلیٰ اخلاق کو پیش کیا ہے اس کی جانب کچھ اشارے اس مضمون میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جہاں ایک طرف اردو میں اخلاقی شاعری بہت کم نظر آتی ہے وہیں دوسری طرف اخلاقی شاعری پر مشتمل مضامین اور مقالے کا فقدان بھی ایک فطری امر ہے۔ اردو شاعری میں اگر اخلاق فاضلہ پر کوئی مضمون لکھنا ہو تو ''میر انیسؔ کی شاعری میں اخلاقیات'' کو ہی عنوان قرار دینا ہوگا جو ہر ادیب کا پسندیدہ موضوع ہرگز نہیں ہوسکتا اس کے علاوہ انیس کے یہاں یہ اخلاقی پہلو ان کے مرثیوں میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں جن کو جمع کرنا خصوصی حوصلہ کا متقاضی ہے۔

اخلاقیات کے زمرے میں شجاعت وجواں مردی، حب الوطنی، سخاوت، غیرت، شرم و حیا، آزادی، استقلال، صبر وشکر، قناعت، انسان دوستی، وفاداری، انسانی جذبات اور اس کے محسوسات، حفظ مراتب اور اعلیٰ کردار کے مختلف مظاہر شامل ہیں اس لیے اردو شاعری میں اخلاقیات کے مظاہر ومناظر سے واقفیت کے لیے مراثی انیسؔ سے بہتر کوئی اور ذریعہ اتنی تعداد اور مقدار میں یکجا موجود نہیں ہے۔ انیسؔ کے مراثی ہی اعلیٰ شاعری کے اعتبار سے ہر میزان پر کھرے اترے ہیں کیوں کہ انیسؔ نے اپنی شاعری کے لیے کربلا کو عنوان بنایا۔ چونکہ کربلا کا مقصد اور اس کا ہیرو دونوں ہی ہر نقطۂ نظر سے بلندیوں پر نظر آتے ہیں اس لیے انیسؔ نے اپنے موضوع کے ساتھ پورا انصاف کیا ہے۔ انیسؔ کے مراثی طوالت کی بنا پر نہیں بلکہ واقعات کربلا اور اس کے کرداروں میں پائی جانے والی اخلاقی بلندی اور شرافت اور نجابت کی بنا پر ہر دل عزیز ہوئے۔ انیسؔ کے کلام میں موجود اعلیٰ کردار کی وجہ سے ہی ان کی شاعری میں عظمت پیدا ہوسکی ہے۔ انیسؔ کی تمام شاعری جو کہ رحم، خوف، شرافت نفس اور حقانیت کے جذبات پیدا کرتی ہے وہیں ہمارے ذہنوں کو اعلیٰ اخلاق کی طرف مائل کرتی ہے۔ یوں تو میر انیسؔ نے اپنے مختلف کرداروں کے ذریعے حسن اخلاق کے بہترین نمونے

اپنے کلام میں پیش کیے ہیں مگر خاص طور پر جب وہ حضرت امام حسینؑ کی سیرت پیش کرتے ہیں تو اخلاق حسنہ اپنی انتہائی منزل پر نظر آتا ہے۔ وہ حسن اخلاق کے محض خیالی مرقعے پیش نہیں کرتے بلکہ اہل دنیا کے لیے ایسے قابل تقلید نمونے بھی پیش کرتے ہیں جن سے جملہ اقوام وملل مستفیض ہوسکتی ہیں۔ انیسؔ نے اپنے کلام کی جادوگرانہ تاثیر سے تمام اخلاقی پہلوؤں کو عوام سے اس قدر قریب کر دیا ہے کہ انسانی محبت اور ہمدردی کا جذبہ ان کے اندر از خود پیدا ہو جاتا ہے۔ عوام کو ان کے کلام میں بلند پایگی اور وقار کی ایک خاص شان نظر آتی ہے۔ اس دعوے کی دلیل میں ذیل کے صرف تین بند ہی کافی ہیں:

استغاثہ یہ کیا حر نے جو بادیدۂ نم جوش میں آگیا اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہ اُمم حر کو یہ ہاتف غیبی نے ندا دی اُس دم
شکر کر سبط رسولؐ الثقلین آتے ہیں
لے بہادر، تیرے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ دوڑ کر چوم لیے پائے شہِ عرش سریر
شہؑ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر میں نے بخشی، مرے اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضامند ہوں، کس واسطے مضطر ہے تو؟
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

کہہ کے یہ ساتھ لیے حر کو چلے شاہ اُمم ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا، اللہ رے کرم
راس و چپ قاسم و اکبر تھے رہے شان وحشم سر پہ کھولے ہوے تھے حضرت عباسؑ علم
دور سے اہل خطا، تیر جو برساتے تھے
رفقا سائے میں ڈھالوں کے لیے آتے تھے

کربلا کی تاریخ میں حر اور حضرت امام حسینؑ کی ملاقات کا یہ واقعہ اظہر من الشمس ہے کہ روز عاشورہ حر کے حسینؑ سے آملنے سے قبل بھی اس کی ایک ملاقات سفر کربلا کے دوران اس وقت ہوئی تھی جب حر حضرت امام حسینؑ کے قتل کی غرض سے ایک بڑا رسالہ لے کر کربلا کے لیے نکلا تھا۔ راہ میں حر کے لشکر کے پاس پانی ختم ہو جانے کے بعد سورج کی تمازت اور گرمی کی شدت میں اپنی فوج کے ساتھ پیاس سے بیقرار اور جاں بلب مارا مارا پھر رہا تھا۔ اسی عالم میں حر کی ملاقات حضرت

امام حسینؑ سے ہوتی ہے تو وہ حسینؑ کو اپنی اور اپنے ساتھیوں کی پیاس سے شدت کا حوالہ دے کر پانی کی درخواست کرتا ہے۔ ہر چند کہ حسینؑ، حر اور اس کے ناپاک ارادوں سے بخوبی واقف تھے مگر حر کا حال زار دیکھ کر انھیں اس پر رحم آجاتا ہے اور وہ اپنے پاس جمع تمام پانی صرف حر اور اس کے لشکر کو ہی نہیں پلاتے بلکہ اس کے ساتھ کے تمام جانوروں اونٹ، گھوڑے اور خچر وغیرہ تک کو بھی سیراب کرتے ہوے خلق محمدیؐ کا مظاہرہ کرتے ہیں جبکہ سیراب ہو جانے کے بعد حر امام حسینؑ کا شکر گزار ہونے کے بجائے یزید کا نمک خوار ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت سفاک انداز میں حسینؑ کو گرفتار کرنے کے ارادے سے ان کے گھوڑے کی لگام پر ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ اس موقع پر بھی حسینؑ نے اخلاق کا درس دیتے ہوئے اسے صدق دل سے معاف کر دیا۔

حر وہی خطا کار ہے جس نے ایک روز حضرت امام حسینؑ کے گھوڑے کی لگام پر بڑی ڈھٹائی سے ہاتھ ڈالا تھا۔اللہ رے اخلاق حسینؑ! ''ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا، اللہ رے کرم''۔ بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ یہ سلسلہ حضرت حر کی شہادت کے بعد تک اسی خلق و کرم کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ جنگ کے دوران حر کے سر پر آئے زخم پر امامؑ کا رومال باندھنا اور اس کے گھوڑے سے گرنے کے بعد:

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرورؑ میرے مہمان و مددگار و معین و یاور
گرز کیا تم کو لگا، ٹوٹ گئی میری کمر گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی مجھکو خبر

دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
کھول دے چشم کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

واہ، اے حر جری میں تری ہمت کے فدا اس کو کہتے ہیں محبت، اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احساں بخدا بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تونے کیا

حق تعالیٰ چمن خلد میں گھر دے بھائی
اِس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی

لاش اُٹھائے شہِ دیں خیمے کے در پر آئے پانؤں مہماں کا سنبھالے علی اکبر آئے
غُل ہُوا خیمۂ اقدس میں کہ سرورؑ آئے پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے

دخترِ فاطمہؑ سامان عزا کرنے لگی
فضہ پردے کے ادھر آکے بُکا کرنے لگی

حق مہمان کی ادائیگی کے سلسلے میں خلق حسینؑ کی یہ ایک زبردست مثال ہے جہاں زبان مبارک پر یہ کلمہ بھی ہے کہ:

''ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احساں بخدا''

خلق و کرم کی اب اس سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ یہاں اس پیاسے پر رحم و کرم کی بارش ہو رہی ہے۔

امام وقت کے خلق و کرم کی دوسری مثال اس مقام پر پیش ہے جب امام کے بچپن کے ساتھی حبیب ابن مظاہر امام حسینؑ کے ساتھ پاپیادہ چلنے کو مصر ہیں۔ امام گھوڑے کی باگ کو کھینچ کر فرماتے ہیں:

کہتے تھے باگ روکے ہوئے شاہِ نامدار یہ کس لیے پیادہ روی اے نحیف و زار
میں بھی اُتر پڑوں گا نہ ہو گے جو تم سوار کرتے تھے عرض یہ کہ توانا ہے جاں نثار

ہرچند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

فرمایا تم کو دیتا ہوں اس سر کی میں قسم جو بعد عصر تیغ سے ہو جائے گا قلم
میں بھی نکالتا ہوں رکابوں سے اب قدم اچھا تمہارے ساتھ پیادہ چلیں گے ہم

پہنچیں جناں میں بحر مصیبت کو جھیل کے
ہم تم تو ایک گھر میں پلے، ساتھ کھیل کے

درج بالا بند کے ایک مصرعے پر غور فرمائیں تو محسوس ہو گا کہ مساوات کی اس سے بہتر مثال اور کہیں ملنا مشکل ہے:

''اچھا، تمہارے ساتھ پیادہ چلیں گے ہم''

اسی ضمن میں ایک اور مقام ملاحظہ ہو جب ایک شخص نے امام حسنؑ کے ساتھ گستاخی کی تو بجائے اس شخص سے کبیدہ خاطر ہونے کے، اس مقام پر بھی آپ نے خلق محمدی □ کا ثبوت فراہم کیا۔ امام حسنؑ کے اس سلوک پر وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور ان سے فوراً معافی مانگی تو امام حسنؑ نے نہ

صرف اسے صدق دل سے معاف فرمایا بلکہ خلق محمدی ﷺ کا تعارف کراتے ہوئے اسے گلے بھی لگایا۔

ناگاہ آیا سامنے اک مرد خیرہ سر اور جانب امام درشتی سے کی نظر
منھ سے کلام سخت کہے اس نے بیشتر ترک ادب ہے لاؤں اسے کس زبان پر
سمجھا نہ رتبۂ شہ عالی مقام کو
دشنام دی امام علیہ السلام کو

جب کر چکا وہ بے ادبانہ یہ سب کلام حضرت نے اس کا دیکھ کے منھ روک لی لگام
اور مسکرا کے آپ نے کی سبقت سلام فرمایا کیوں ہے غیظ میں اے مردِ نیک نام
شاید اسیر دام و بلا و محن ہے تو
مجھ کو گماں یہ ہے کہ غریب الوطن ہے تو

مجھ سے سوال کر کہ میں حاجت روا کروں اور دردِ مفلسی ہو تو اس کی دوا کروں
گر تو مریض ہے تو شفا کی دعا کروں مقروض گر تو ہوے تو اس کو ادا کروں
تنہا ہے گر تو آکے مِرا غمگسار ہو
پیدل ہے گر تو گھوڑے پہ میرے سوار ہو

سن کر کلام بادشہ آسماں سریر کانپا مثالِ بید سراپا وہ مرد پیر
بے اختیار رو کے پکارا کہ اے قدیر تیرا کوئی عدیل نہ اس کا کوئی نظیر
شیرِ خدا وصی نبیؐ لا کلام ہے
حقاً کہ تو امامؑ ہے، ابن امامؑ ہے

حیدرؑ سے بغض تھا مجھے اور آپ سے عناد مانند روح و جسم ہُوا آج اتحاد
دل سے تمام محو ہوے باطنی فساد اب بخشیے خطا کو، یہی ہے مری مُراد
تعزیر دیجے تیغ دوپیکر نکالیے
تقصیروار ہوں میں زباں کاٹ ڈالیے

چھاتی لگا کے کہنے لگا وہ خدا کا نور بے تاب کس لیے ہے ترا کچھ نہیں قصور
ایمان لایا تو مرے دل کو ہوا سرور نزدیک تو بہشت سے ہے اور سقر سے دور

آلِ نبیؐ کی تجھ سے محبت زیاد ہو
تجھ سے حسنؑ خوشی ہے خدا تجھ سے شاد ہو

واضح رہے کہ حضرت امام حسنؑ ہر کس و ناکس، یہاں تک کہ کافروں سے بھی نہایت نرمی اور عزت سے پیش آتے تھے اور ہر کسی کی مدد بغیر تفریق ملت کیا کرتے تھے۔ اپنے اسی اخلاق فاضلہ کی وجہ سے ان کا خلق ''خلق حسنی'' کے نام سے مشہور ہے۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسجد کوفہ میں امام اوّل اور وصی محمدؐ جب عبدالرحمن ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے بری طرح زخمی ہو گئے اور لوگوں نے قاتل کو گرفتار کر کے حضرت علیؑ کے سامنے پیش کیا۔ اس موقع پر حضرت علیؑ کا اخلاق قابل غور ہے۔ وہ اپنے قاتل کے ساتھ کس قدر نرمی اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ اخلاقی درس کی ایسی مثال کہیں اور عنقا ہے۔ (مرثیہ ''خورشید حقیقت رخِ زیبائے علیؑ ہے''):

قاتل کو محبّان علیؑ لائے پکڑ کر مشکیں تھیں بندھی سر کو جھکائے تھا ستمگر
جس دم پڑی اس پر نظرِ خویش پیمبرؐ قاتل سے یہ فرمانے لگے حیدرؑ صفدر
کیا میری خطا تھی جو ستایا مجھے تونے
کس جرم پہ یہ وار لگایا مجھے تونے

رونے لگا سر شرم سے نیہوڑا کے ستمگار چاہا یہ حسنؑ نے کہ لگا دیں اُسے تلوار
کیا رحم ہے فرمانے لگے حیدرؑ کرار مارو نہ اسے قید کرو، اے مرے دلدار
یہ چاہتا ہے بند سے رسّی کے رہا ہوں
تم کھول دو ہاتھ اس کے کہ میں عقدہ کشا ہوں

بازو ہیں بندھے اس کے ہے بیچین مرا دل ہم وہ ہیں کہ حل کرتے ہیں ہر ایک کی مشکل
دشمن نہیں میں اس کا گو ہے یہ مرا قاتل دیوے گا سزا اس کی اسے خالق عادل
کی اس نے برائی تو ضرر کیا ہے ہمارا
دشمن پہ کریں رحم یہ شیوہ ہے ہمارا

اے لال قسم ہے تمھیں غصے میں نہ آنا جب تک کہ میں زندہ ہوں نہ ہاتھ اس پہ اٹھانا
جس وقت میں ہوں عالم فانی سے روانا اک وار سے تم اس پہ زیادہ نہ لگانا

جو کھاؤں میں کھانا وہی پہنچائیو اس کو
پیاسا ہو تو پانی سے نہ ترسائیو اس کو

اپنے قاتل کے لیے ایسے محبت اور ترحم آمیز جذبات دنیا کی کسی بھی تاریخ میں نہیں ملتے۔ اسلام سے تعلق نہ رکھنے والے بھی اگر ان حالات پر غور فرمائیں اور اپنی ہستی کا سچا جائزہ اس تاریخی حقائق کی روشنی میں لیں تو وہ محسوس کریں گے کہ عام انسانی وجود میں کس قدر خامیاں موجود ہیں اور عام انسان اخلاقی معاملات میں نہ صرف پست ہی ہے بلکہ کس قدر دورافتادہ اور چشم پوش بھی ہے۔

میر انیسؔ نے بالواسطہ بھی بے ثباتی عالم کی تلقین کی ہے۔ ایک مقام پر پسر سعد کے سوال کے جواب میں کیا خوب فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

نازاں نہ ہو اے بانیٔ ظلم و ستم و جَور — مٹ جاتا ہے اک گردش افلاک میں یہ دَور
تو آج جو حاکم ہے تو کل ہوگا کوئی اور — کیا ہوگئی، کر دولت قاروں پہ ذرا غور
نمرود نہیں، حشمت ضحاک نہیں ہے
ڈھونڈو جو خزانے میں تو اب خاک نہیں ہے

ایک اور مقام پر اعدائے دیں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :(مرثیہ ''جب تیغ یداللہ کھنچی دشت وغا میں'')

تولے ہوے شمشیر کو پڑھتے ہیں یہ اشعار — دنیا بھی ہے بے مہر، زمانہ بھی ہے غدار
تف تجھ پہ ہے اے دہر ستمگار و جفاکار — بے دل تری اس سفلہ پرستی سے ہیں دیندار
زہراؑ سے، محمدؐ سے، علیؑ سے، نہ وفا کی
شاکی رہے سب تونے کسی سے نہ وفا کی

تونے غم فرزند میں آدمؑ کو رلایا — عیسیٰؑ نے جہاں میں کوئی دم چین نہ پایا
خنجر سے لہو حضرت یحییٰ کا بہایا — کس چاہ میں یعقوبؑ سے یوسفؑ کو چھڑایا
وہ کون سے دکھ تھے جو دکھائے نہیں تونے
کیا کیا کنویں پیری میں جھنکائے نہیں تونے

توڑے دُرِ دندان نبیؐ سنگ جفا سے — مسجد ہوئی تر خون سر شیر خدا سے
فرصت نہ ملی فاطمہؑ کو رنج و بلا سے — ٹکڑے ہوا شبرؑ کا جگر زہر دغا سے

باقی تھا فقط میں، سو عزیزوں سے چھٹا ہوں
پانی کو ترستا ہوں، غریبی میں لٹا ہوں

اخلاقیات کے ہمراہ بے ثباتی عالم کی تلقین صرف غیروں کیلئے نہیں بلکہ جا بہ جا اپنوں کیلئے نظر آتی ہے۔ میدان جنگ میں جانے سے قبل حضرت امام حسینؑ شہربانو کے پاس جب آخری رخصت کو تشریف لاتے ہیں تو کس انداز سے صبر کی تلقین فرماتے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جس کا اخلاق جتنا بلند ہوگا اس پر فانی دنیا کی حقیقت اتنی ہی زیادہ روشن ہوگی اور وہ اسے ایک منزل سے زیادہ اہمیت نہیں دے گا۔ دیکھیے میر انیسؔ امام حسینؑ کی زبانی اس سرائے فانی کی کیسی کیسی تعبیریں پیش کرتے ہیں جس میں دل جوئی اور تسلی کا پہلو بھی ساتھ ساتھ موجود ہے۔ ایک ایک مصرعہ اور ایک ایک لفظ غور طلب ہے۔ (مرثیہ ''کیا بحر ہے وہ بحر کنارا نہیں جس کا'')

جیتا ہے ہمیشہ کوئی اس دار محن میں؟ یہ روح ہے مہماں کوئی دم خانۂ تن میں
ہے آج بہار اور خزاں کل ہے چمن میں ہم سے بہت ایسے ہیں کہ سوتے ہیں کفن میں
ہر شام کو دس بیس چراغ سحری ہیں
ہر صبح کو دس آتے ہیں اور دس سفری ہیں

شادی ہے کسی شخص کو، غم کھاتا ہے کوئی خلعت کوئی پاتا ہے، کفن پاتا ہے کوئی
آتا ہے جہاں میں کوئی اور جاتا ہے کوئی کھلتا ہے کوئی پھول تو مُرجھاتا ہے کوئی
گر غور سے دیکھا تو بھروسہ نہیں دم کا
دنیا بھی مرقع ہے عجب شادی و غم کا

گہہ تختۂ تابوت ہے گہہ مسند شاہی اک آتا ہے دنیا میں تو اک ہوتا ہے راہی
بس خیر ہے جب تک کہ رہے فضل الٰہی کچھ بن نہیں پڑتا ہے جب آتی ہے تباہی
سلطاں بھی کفن کے لیے محتاج ہوئے ہیں
لاکھوں گھر اسی طرح سے تاراج ہوئے ہیں

بس جیتے ہی جی تک ہیں برادر ہو کہ فرزند ہر شخص پہ کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
کیا رشتہ پھر اس سے جو ہوا خاک کا پیوند پر ہم سے تو پہلے ہی جدا ہو گئے فرزند

کیا قبر میں ہویگا خبر آہ نہیں ہے
زندہ ہیں ابھی اور کوئی ہمراہ نہیں ہے

ان خیالات کے بعد اب اردو ادب کے چند مایۂ ناز ناقدین ومحققین کے خیالات بھی اس ضمن میں جان لینا ضروری ہے کہ اردو شاعری میں اخلاقی اقدار کے سلسلے میں ان حضرات کے خیالات کیا ہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے مولانا الطاف حسین حالیؔ کے خیالات کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

مولانا الطاف حسین حالیؔ کو مرثیے کے بعض اجزا پر اعتراض ہے اور انھوں نے مرثیہ پر بھی سخت تنقید کی ہے پھر بھی میرانیسؔ کی اخلاقی شاعری پر نقد کرتے ہوے انھوں نے ایک منصف کی حیثیت سے نہایت دیانت داری کے ساتھ لکھا ہے کہ ''۔۔۔اسی خاص طرز کے مرثیے کو اگر اخلاق کے لحاظ سے دیکھا جاے تو بھی ہمارے نزدیک اردو شاعری میں اخلاقی نظم کہلانے کا مستحق صرف انھیں لوگوں (میرانیسؔ اور مرزا دبیرؔ) کا کام ٹھہرتا ہے۔ بلکہ جس اعلیٰ درجہ کے اخلاق ان لوگوں نے مرثیہ میں بیان کیے ہیں ان کی نظیر فارسی بلکہ عربی شاعری میں بھی مشکل سے ملے گی۔۔۔''۱؎

خواجہ الطاف حسین حالیؔ کے علاوہ جن دیگر محققین نے میرانیسؔ کی مرثیہ نگاری پر تنقید کی ہے، بے شک ان میں پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ صاحب کا نام سرفہرست ہے اور ان کی راے میرانیسؔ کے معاملے میں مستند سمجھی جاتی ہے۔ میرانیسؔ کی اخلاقی شاعری کے ضمن میں وہ ''روح انیس'' میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں ''اخلاقی شاعری کے اعتبار سے انیسؔ کے مرثیوں کا پایا بہت بلند ہے۔ ان کے تمام کلام میں بلند اخلاق کی ایک لہر دوڑی ہوئی ہے۔ جن اخلاق فاضلہ کی تعلیم انیسؔ کے مرثیوں سے ہوتی ہے وہ اخلاق و نصائح کی کسی کتاب سے یا وعظ و پند کے ذریعے ممکن نہیں۔ نفس انسانی کی انتہائی شرافت کے نقشے جن موثر پیرایوں میں کھینچے ہیں ان کا جواب ممکن نہیں۔''۲؎۔

اردو شاعری میں جب بھی اخلاقی قدروں کا ذکر ہوتا ہے متعدد شعراء کے نام سامنے آتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ کس شاعر نے اس موضوع کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ اخلاقی قدروں کو برتنے کے سلسلے میں ہر ناقد اور مبصر کے غور وفکر کا نہج جدا ہوتا ہے۔ عبدالقادر سروری صاحب نے ''جدید اردو شاعری'' میں اپنی راے کا اظہار اس طرح کیا ہے۔ ''فارسی کے اتباع میں اردو نے بھی بہت سے اخلاقی شاعر پیدا کیے لیکن میر دردؔ کے سوا کسی کو اختصاصی درجہ نصیب نہ ہو سکا۔''۳؎

اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ میر دردؔ کے کلام میں جابجا اخلاقی شاعری کے بہترین

نمونے ملتے ہیں مگر یہ کہنا کہ اخلاقی شاعری کے سلسلے میں ''دردؔ کے سوا کسی کو اختصاصی درجہ نصیب نہ ہو سکا'' میر انیسؔ کے کلام میں اخلاقی شاعری کے پیش نظر، راقم الحروف کی دانست میں درست نہیں۔

ہر چند کہ خواجہ میر دردؔ کا شمار ان معیاری شعراء میں ہوتا ہے جنھوں نے بہت کم لکھا۔ بمشکل ڈھائی ہزار اشعار اردو میں اور تقریباً اتنے ہی فارسی میں ہیں۔ اپنے کلام کے آئینے میں وہ ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے جو کچھ بھی لکھا، معیاری لکھا۔ ان کی مختصر سے مختصر یا طویل سے طویل غزل کا ایک بھی شعر کمتر درجے کا نہیں۔ یہ بہت بڑی بات ہے کیونکہ عام طور پر بڑے شعراء کے یہاں بھی ہلکے اور کم معیاری اشعار مل ہی جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ ماننا پڑے گا کہ انھوں نے بھی کم معیاری یا غیر معیاری اشعار کہے ہوں گے ۔مگر جہاں تک اخلاقی شاعری کی بات ہے دردؔ کا پلّہ کسی بھی صورت میر انیسؔ سے گراں نہیں۔

مراثی کے علاوہ میر انیسؔ نے قطعات و سلام کو بھی درس اخلاق کا ذریعہ بنایا ہے۔ مراثی میں یہ قدریں میر انیسؔ بالواسطہ حضرت امام حسینؑ اور اہل بیتؑ اطہار کے ذریعہ پیش کرتے ہیں مگر بے ثباتی عالم کے ساتھ اخلاقی اقدار کو بلا واسطہ بھی اس حسن و خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ درس عبرت نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر چند بند پیش خدمت ہیں۔

اے مومنو! مصروف رہو یاد خدا میں جینے کا بھروسہ نہیں اس دارفنا میں
اوقات کرو صرف، عزائے شہداء میں سرگرم رہو نالہ و فریاد و بکا میں
غافل نہ ہو مل جائے جو وقفہ کوئی دم کا
دنیا سے ہے نزدیک سفر ملک عدم کا

اس منزل فانی میں نہ دل اپنا لگاؤ اُلفت نہ کرو اس سے جسے چھوڑ کے جاؤ
یہ عاریتی جا ہے، یہاں گھر نہ بناؤ پابندیٔ دنیا سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
چلتے ہوئے ہرگز کوئی کام آ نہ سکے گا
ہمراہ کچھ اسبابِ جہاں جا نہ سکے گا

یاں رخت اقامت کا سرانجام ہے بے جا اس منزل پُر خوف میں آرام ہے بے جا
عقبیٰ کے سوا یاں کا ہر اک کام ہے بے جا مانند نگیں آرزوے نام ہے بے جا

سنیے یہ دم مثل چراغ سحری ہے
کر لو عمل خیر، یہی ناموری ہے

امید نہیں جینے کی یاں صبح سے تا شام ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لب بام
یاں کام کرو ایسے کہ آئے جو وہاں کام آپہنچے خدا جانیے کب موت کا پیغام

اپنی نہ کوئی ملک، نہ املاک سمجھنا
ہونا ہے تمہیں خاک، یہ سب خاک سمجھنا

دنیا میں سدا ایک سا رہتا نہیں احوال ادبار ہے انساں کا کبھی اور کبھی اقبال
اندوختہ کرتے جسے لگتا ہے مہ و سال آ جاتا ہے وہ غیر کے قبضے میں زرو مال

خالی رہیں گے بعد فنا ہاتھ تمہارے
کچھ جمع ہو ایسی کہ چلے ساتھ تمہارے

بھائی نہ تو کام آئے گا اس وقت نہ فرزند عرصہ نہیں کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
وہ کام کرو جس سے خدا ہوئے رضامند ہشیار کہ ہونا ہے تمہیں خاک کا پیوند

پیری کی بھی مدت ہے، جوانی کی بھی حد ہے
آرام گہہ شاہ و گدا، کنج لحد ہے

اس کے بعد بھی مسلسل پانچ بند اسی موضوع پر اور ہیں مگر طوالت سے گریز کے پیش نظر انھیں نقل کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر زوجہ حضرت امام حسنؑ کا بیان ملاحظہ ہو۔ یہ وہ موقع ہے جب انھیں محسوس ہوتا ہے کہ کہیں قاسمؑ کے قبل امام حسینؑ اپنے بڑے بیٹے علی اکبرؑ کو جنگ کی اجازت نہ دیدیں:

باہر امامؑ لے گئے لاشے اٹھا کے جب غیرت کا جوش آ گیا قاسمؑ کی ماں کو تب
مَل مَل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب ہمشکل مصطفیٰؐ کہیں مرنے نہ جائے اب

اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

دل میں یہ سوچتی ہوئی اٹھی وہ خوش خصال قاسمؑ کو اپنے پاس بلایا بصد ملال
رو کر کہا کہ اے حسنؑ مجتبیٰ کے لال کچھ اس ضعیف ماں کی بھی غربت کا ہے خیال

جاری ہے اشک خوں مری چشم پُر آب سے
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

گھر لٹ رہا ہے فاطمہ زہراؑ کا ہائے ہائے دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے

گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
منہ دیکھنے کو کیا تمہیں پالا ہے شاہ نے

سب مر چکے امام دو عالم کے اقربا باقی ہے کون اکبرؑ و عباسؑ کے سوا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا سر ان کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا

تم بھی خجل رہو گے صدا جد کے سامنے
شرمائیں گے حسنؑ بھی محمدؐ کے سامنے

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد
جلدی دلہن سے مل کے سدھارو پئے جہاد قربان ہو چچا پہ، یہی ماں کی ہے مراد

بیاہا تمہیں بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

مادر کے منہ کو دیکھ کے بولا وہ گلعذار ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقت کارزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار

رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

بیگم صالحہ عابد حسین فرماتی ہیں کہ ''یہ قدریں ہیں خدا شناسی، عقیدہ و ایمان، دیانت و شرافت، حق پرستی وعفو و کرم، ایثار و قربانی، جرأت و جاں بازی، وفا و جاں نثاری، صبر اور استقلال، راضی بہ رضا رہنے کا حوصلہ، رشتوں کی پاسداری اور انسانیت کا درس، خلوص و محبت اور پھر حق کی راہ میں جان قربان کر دینے کا وہ جذبہ جو شہادت کی منزل تک پہنچا سکتا ہے۔ شہادت یعنی سر دار بھی حق کا نام لینا اور حق کے لیے جان تک قربان کر دینا۔ یہ وہ قدریں ہیں جن کو فنا نہیں کیا جا سکتا۔ جو دب دب کر ابھرتی ہیں اور اپنی سچائی منوا لیتی ہیں، جس کو انیسؔ نے زیادہ تر بالواسطہ یعنی اپنے کرداروں

کی سیرت اور اخلاق میں اجاگر کر کے اور کہیں کہیں بلا واسطہ پیش کیا ہے۔''۴؎

اگر ہم ان بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں تو دنیا میں ہم ایک الگ امتیازی حیثیت اور وقار حاصل کر سکیں گے۔ ہم دوسروں کے لیے بھی شمع ہدایت بن کر زندگی کی تاریک راہوں سے ان کو نجات دلانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور یہی انسانی اور اسلامی زندگی کا بلند ترین معیار اور زندگی کا اعلیٰ ترین نصب العین ہوگا۔جس کی پیش کش میں بالعموم اردو مرثیے اور بالخصوص میر انیسؔ کے مرثیے ہر اعتبار سے لائق اعتنا ہیں۔ ان کے مطالعے سے بھی انسانی زندگیوں میں زبردست تبدیلیاں رونما ہوسکتی ہیں جس کے اثرات ہماری اجتماعی اور ملکی صورت حال پر پڑنا ناگزیر ہیں۔

حوالے:

۱۔مقدمہ شعر و شاعری، صفحہ ۱۸۳ ،سلسلۂ مطبوعات ۴۱۱/اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، بار پنجم ۲۰۰۲ء

۲۔کلام انیسؔ پر مختصر تبصرہ، سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ

۳۔ اُردو مرثیہ نگاری، امّ ہانی اشرف صفحہ ۱۸، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ۱۹۹۲ء

۴۔انیس شناسی، گوپی چند نارنگ، صفحہ ۴۶